اجتہاد اور عصر حاضر

محمد صغیر حسن معصومی

آج کل اس تیز رفتار زمانے میں جبکہ علوم جدیدہ کی کثرت کے ساتھ نت نئی سائنسی ایجادات
ین آرہی ہیں۔ اجتہاد کی ضرورت اور اس کے طریق کار سے متعلق سوچنا لابدی ہوگیا ہے تاکہ کم
م مدت میں زیادہ سے زیادہ کام انجام کو پہنچائے جائیں۔ ایسے وقت میں جبکہ نئے طریق کار کا
ع لگانا اور نئی راہ اختیار کرنا ضروری ہے۔ انسان اپنی سہل انگاری اور ذمہ داری کو دوسروں پر
ی عادت کے زیر اثر ہر اس گروہ کو مطعون کرنے لگتا ہے جو میدان عمل میں راہنمائی کرتے اور
ں کو ہشیار کرتے جاتے ہیں کہ علمی وعملی سرگرمیاں بے قاعدہ نہیں بلکہ باقاعدہ ہونی چاہئیں۔ حالانکہ
ب بصیرت پر اس طبقے کی اہمیت ظاہر ہے۔ اگرچہ کوتاہ بین ہمیشہ ایسے افراد کو متعصب وتنگ
رار دیتے اور انہیں سخت گیری و ناعاقبت اندیشی کا مورد الزام بناتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ معاشرے
قی وبہبودی انہیں افراد کی سرگرمیوں اور تنبیہوں کی رہین منت ہوتی ہے اور اگر میدان عمل میں یہ حضرات
تے تو میدان کا نقشہ ہی دگرگوں ہوتا۔ اور بجائے تنظیم و باقاعدگی کے بدنظمی و بدعنوانی اور
ذہنیت کا دور ہوتا۔

ایک طرف یہ دعویٰ کرنا کہ اسلامی مقاصد کو اپنانا عین ایمان ہے۔ قرآن پاک و حدیث شریف کو
نے رکھنا ناگزیر ہے۔ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا دینی فریضہ ہے۔ ساتھ ہی یہ شور مچانا کہ علماء و
ء نے مذہب کو چند احکامات تک محدود کر دیا ہے۔ دین کو حلال و حرام کے چکر میں محبوس کر رکھا ہے
ب ہی نہیں بلکہ انتہائی فریب اور سراسر کذب و افترا ہے اور ایسا کہنے والے درحقیقت اسلام کے
ست نہیں بلکہ بدترین دشمن ہیں جو خیر خواہی کے پردے میں دینی تخریب کو اپنا دین و ایمان بنائے

ہوئے ہیں، اور جو عالم اسلام میں فساد و خلل کے سوا کچھ اور دیکھنا نہیں چاہتے

ہمارے عہد کے ایسے ترقی پسند مصلحین کبھی تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ آئیے اجتہاد کا دروازہ کھولیں۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ کسی زمانے میں بھی کسی فقیہ یا مجتہد نے یہ نہیں لکھا کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا۔ نہ کوئی کتاب کبھی یہ بتاتی ہے کہ اب قرآن و حدیث کی تعلیم کو سمجھنے میں غور و خوض نہیں کیا جا سکتا، بلکہ ائمہ مجتہدین نے ہمیشہ یہ ہدایت کی کہ احکام خداوندی کے سمجھنے کے لئے قرآن و حدیث پر زیادہ سے زیادہ نظر رکھنی ضروری ہے، اور جس قدر زیادہ غور و خوض کریں گے، اسی قدر علم میں اضافہ ہوگا۔ کبھی یہ اصلاح کے دعوے دار نعرہ لگاتے ہیں کہ علماء نے ہمیشہ تنگ نظری کا ثبوت دیا ہے اور یہ صوفیاء کرام ہی تھے جن کی مساعی سے دین اسلام کی اشاعت ہوئی اور لوگ جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ان کی رواداری، نرمی و ہمدردی نے دوسرے مذاہب کے عوام کو اپنا گرویدہ اور اسلام کا پیرو بنایا۔ حالانکہ یہ صوفیاء کرام پابند شریعت علماء ہی تھے جو دین کے عملی نمونے پیش کرتے تھے۔

کبھی ان مصلحین کا دعویٰ ہوتا ہے کہ اسلام کی سچی خدمت کرنے والے علامہ ابن تیمیہ۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی، علامہ شوکانی۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، شیخ احمد بریلوی اور شیخ مہدی سوڈانی اور شیخ سنوسی تھے جنہوں نے صدیوں کی خوابیدہ امت کو اپنی دینی بصیرت اور اصلاحی تحریکوں سے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگایا۔ اسلام کا سیدھا راستہ دکھایا، لوگوں کو فقہاء کی دور از کار فقہی موشگافیوں اور فرقہ وارانہ تعصب و تقشف سے نجات دلائی۔ پھر دوسری ہی سانس میں ان کی عملی سرگرمیوں کو دیکھ کر یہ مصلحین کہنے لگ جاتے ہیں کہ انھوں نے تحریک تو بڑی اچھی چلائی اور صحیح طور پر قرآن و حدیث پر چلنے کی تلقین بھی کرتے رہے، مگر جلد ہی چند اعمال و فرائض کی ادائیگی میں پھنس کر اپنے اردگرد کے اثرات میں گم ہو گئے۔ کبھی یہ شور مچاتے ہیں کہ ہم مسلمان اصل مقصد سے ہٹ کر رسم و رواج، چند عبادات اور ظاہری کارگزاریوں کو اصل دین سمجھ کر قعر مذلت میں جا پڑے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج ہم دوسری ترقی یافتہ قوموں کے آگے ذلیل و خوار ہو کر رہ گئے ہیں۔ یہ حضرات بزعم خویش دینی تنزل کا تنہا سبب، قدامت پسند علماء کو بتاتے ہیں جن کے وعظ و پند سے مسلم عوام متاثر و مسحور ہیں اور جو مولویوں کے بتائے ہوئے دین کو اصل اسلام سمجھتے ہیں اس لئے اپنی عقل سے کام نہیں لیتے اور نئے علوم سے فائدہ نہیں اٹھاتے، سائنس کے شعبوں سے بے بہرہ رہ گئے اور علمی میدان میں دوسری قومیں ان سے سبقت لے گئیں۔ مسلمان ہیں کہ علماء کے بتائے ہوئے

ے کے طریق عبادت میں پھنسے ہوئے ہیں اور ظاہری دنیاوی امور سے بے بہرہ ہو گئے ہیں ... ی
، دنیا میں مسلمانوں کو نکبت و خواری، ذلت و رسوائی حاصل نہ ہو تو تعجب کی کون سی بات ہے؟
ن آج کل کے جدت پسند مصلحینِ قوم کبھی تو علماء کو گردن زدنی قرار دیتے ہیں۔ فقہی کارناموں
و لچر پوچ بتاتے ہیں، کبھی خود اجتہاد کا دروازہ اس طرح توڑنے کا دعوے کرتے ہیں کہ قرآن و حدیث
ح یہ سمجھیں وہی صحیح ہیں اور چودہ سو برس سے جو مسلمان سمجھتے آئے ہیں وہ باعث ننگ و عار ہیں
یہ دعویٰ بھی ہے کہ چھ سات صدیوں سے اجتہاد بالکل بند ہے اور آج کے مسلمان تقلید اور وہ
تقلید کے بندھن میں جکڑے ہوئے ہیں۔

ب ہم مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ گمراہ کن مصلحین محض اپنی
ق کی خاطر کس طرح حقیقت کا انکار کر کے من گھڑت باتوں کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔ "وھم
ن انھم یحسنون صنعا۔" (درآں حالیکہ یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ یہی لوگ نمایاں کام انجام دے
، قرآن پاک کی تعلیمات پر پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کر کے مثال
قرآنی احکام پر اس طرح عمل کیا جاتا ہے۔ کسی قرآنی حکم کی خلاف ورزی آپ کی ذات بابرکات کی
میں رونما نہیں ہوئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کا قیام اور خلیفہ کا انتخاب اجتہاد کا نتیجہ تھا، اور عین
سنت کے مطابق۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی زندگی میں مدینہ منورہ چھوڑتے وقت
صحابیوں کو اپنی جگہ امیر بنا کر باہر تشریف لے جاتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے
سے مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کیا اور تلوار اٹھائی۔ آپؓ کے اس اجتہاد میں صحابۂ کرام اوّل اوّل
نہیں تھے۔ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے جداگانہ تھی۔ مگر امیر المومنین حضرت ابوبکرؓ اپنی رائے
رہے، اور اسی پر عمل کیا اور سارے صحابہؓ نے ان کی اتباع کی۔ غرض مانعین زکوٰۃ کی خاطر خواہ سرکوبی
ساتھ ہی نبوت کے جھوٹے دعوے دار بھی کیفرِ کردار کو پہنچائے گئے۔

لیفہ دوم امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بہت سے ایسے احکام جاری کئے ہیں جن کی
ہد ابوبکرؓ میں ملتی ہے نہ خود عہد رسالت میں۔ ان سارے احکام کی فہرست بہت طویل ہے،
گنجائش یہاں نہیں، اور جن کا انکار حقائق کے انکار کے مرادف ہے۔ حضرت عثمان خلیفہ سوم

ضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی کچھ فقہی احکام رونما ہوئے، جن کی نظیر ماقبل کے عہد اسلام میں مفقود ہے ۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ ۔ نیز حضرت معاویہ، حضرت حسن رضی اللہ عنہما سے بھی اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق، جنگ واختلاف کرنا، اور وہ بھی مسلمانوں اور صحابہ کے آپس کی جنگ میں حصہ لینا، حَکَم کے فیصلہ پر اتر آنا، اور صلح وتعاون اختیار کرنا، جیسے واقعات رونما ہوئے اور دوسرے اعمال سرزد ہوئے ۔ نظام عدل قائم رکھنے کو شرعی احکام ومسائل اپنی جزئیات وتفاصیل کے ساتھ، نیز عبادات، معاملات، عقوبات وحدود اور دوسرے مختلف احکام معرضِ وجود میں آئے ۔ اور یہ قوانین عہد نبوی، عہدِ خلفاء راشدین اور اسی طرح عہدِ خلفاء بنی امیہ وعہد خلفاء بنی عباس میں امت کے اتحاد ویک جہتی قائم رکھنے کو اور آئندہ نسلوں کی سہولت کی خاطر قلمبند کئے گئے، علماء، صوفیاء ومحدثین قرون اولیٰ میں بلکہ بعد کے قرون میں بھی کچھ جدا جدا افراد نہ تھے، نہ ان میں غیریت تھی، بلکہ اکثر وبیشتر علماء ہی فقہاء بھی تھے ۔ صوفیاء بھی اور محدثین بھی ۔ اکثر تابعین وتبع تابعین محدثین وفقہاء صوفیاء کرام بھی تھے اور اولیاء عظام بھی ۔ کوئی صوفی یا محدث اپنی ذات کو شرعی احکام یا فقہی فیصلے بلکہ فقہی تعامل سے آزاد نہیں سمجھتا تھا خلوص، رواداری، نیز تفقہ وجذبۂ ایمانی کا یہ عالم تھا کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ حضرت امام مالک کو امام بناتے ہیں اور حضرت امام مالک امام اعظم کی تعظیم وتکریم میں کوتاہی نہیں کرتے اور تلمذ اختیار کرتے ہیں ۔ حضرت امام شافعی امام اعظم کی لحد پاک پر حاضری دیتے ہیں تو احترام کی نیت سے مسجد میں حنفی طریقے سے نماز ادا کرتے ہیں، اسی طرح حضرت امام احمد بن حنبل کو بھی پیشرو ائمہ کے احترام کا خاصا اہتمام تھا ۔ پھر اس عہد کے علماء دین اپنے اپنے وقت اور اپنے اپنے علاقے کے مجتہدین وامام تھے اور ایسے امور میں جن کا واضح ذکر قرآن پاک یا احادیث کے مجموعوں میں نہیں ملتا اپنے عقلی رجحانات کے مطابق قرآن وحدیث کی روشنی میں اپنی اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے، مگر مرور زمانہ کے ساتھ علم وتفقہ کے ماتحت چار مذاہب کے اصول وفروع کو فروغ حاصل ہوا، بقیہ دیگر مذاہب آہستہ آہستہ ناپید ہو گئے ۔ یہ سارے احکام وعلم فقہ کے مضامین قرار پائے آیت پاک لیتفقہوا فی الدین کے ماتحت وجود میں آئے اور اس آیت پاک سے یہ علمی نام فقہ ماخوذ ہوا ۔

اہل سنت والجماعت کے مقابل اہل تشیع نے بھی شرعی احکام کو قرآن پاک اور اقوال وافعال رسولؐ سے اخذ کیا اور یہ علم فقہ شیعوں میں بھی فروغ پا گیا کہ اس سے عوام کو مفر نہیں ۔ ہاں! جن کو عمل سے دُور کا

[redacted]

واسطہ نہ ہو انھیں فقہی احکام قرآن کے مقاصد کے خلاف نظر آئیں گے کیونکہ ان کی آزادی اسی انکار پر منحصر ہے۔

بنا بریں وہ سارے قوانین جو یہ جدت پسند مصلحین اپنی عقلی رہنمائی میں مدون کریں گے ان کا کیا حکم ہوگا؟ کیا یہ قوانین بھی فقہ کی فہرست میں نہ داخل ہوں گے؟ قوانین کی تدوین کے بغیر قرآن و سنت کے احکام کا اطلاق مختلف حالات میں مختلف اشخاص پر کیونکر کیا جائے گا؟ فقہی تفصیلات تو درحقیقت قوانین و احکام کے ضابطے ہیں جن کا نفاذ قاضی یا حاکم بوقت ضرورت کرتا ہے ان قوانین کے بیشتر حصے صحابہ کرام کے زمانے تک پائے جاتے ہیں جس طرح صحابہ کرام کے فیصلے اور صادر و نافذ کئے ہوئے احکام [illegible] مشعل راہ ہیں اسی طرح ائمہ مجتہدین، تابعین، تبع تابعین، علماء و فقہاء نیز بعد کے اہل علم و اہل فقہ کے اجتہادات جو قرآن و سنت کے خلاف نہیں سب کے سب متفق ہیں، جن پر سارے لوگوں کا عمل رہا ہے، اور جن کے خلاف کسی نے چوں و چرا نہیں کیا۔ یہ احکام اپنے اپنے زمانے کے احوال و تقاضے کے مطابق قرآن و احادیث کی روشنی میں نیز [illegible] کے نصوص کے مطابق استنباط کئے گئے [illegible] آج بھی مسلمانوں پر فرض ہے کہ اپنے زمانے کے [illegible] مطابق احکام قرآنی و سنت نیز اسلاف کے فقہی [illegible] کی روشنی میں اپنے اقتصادی، معاشرتی، نیز تمدنی مسائل کا حل سوچیں اور قوم کو نئی سے نئی [illegible] ترقی پر گامزن بنائیں۔

مذاہب تو درحقیقت شاہراہ ہیں جو مقصد اسلام تک پہنچاتے ہیں۔ شاہراہ مختلف بن سکتے ہیں اور لوگ شاہراہ چھوڑ کر پگڈنڈیوں، ناہموار راستوں سے بھی گزر کر منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں مگر ظاہر ہے کہ جو راحت و طمانیت سیدھی ہموار شاہراہوں پر چلنے میں انسان محسوس کرتا ہے وہ اطمینان و سکون ناہموار راستوں، نئی نئی پگڈنڈیوں پر چل کر نہیں پا سکتا۔

جو مصلحین نئی راہیں اختیار کرنا چاہتے ہیں اور نئے راستوں پر قیادت کرنے لگتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ شاہراہوں سے بالکلیہ الگ رہ کر منزل تک پہنچیں۔ ہر پھر کر دشواریوں اور موانع سے بچنے کے لئے عام بنے ہوئے راستوں پر ان کو واپس آنا پڑتا ہے۔ اور اگر ایسا نہیں کرتے تو بسا اوقات منزل سے دور نکل جاتے اور سرگرداں و حیران رہ جاتے ہیں۔

ایک دوسری مثال مزید وضاحت کے لئے یہ بیان کی جا سکتی ہے کہ آباؤ اجداد سے ہم بعض انسانی عادات

کے مطابق عمل کرتے آئے ہیں۔ آج اگر ہم چاہیں کہ ان عادات کو ترک کر دیں اور نئی عادتیں اختیار کریں تو ایسا ممکن تو ہے۔ مگر اس میں دشواریوں اور احیاناً مصیبتوں کا سامنا کرنا لابدی ہے۔ مثلاً ابتداء آفرینش سے ہم کھاتے پیتے آئے ہیں۔ پیروں سے چلتے آئے ہیں۔ ہاتھوں سے چیزوں کو پکڑتے ہیں۔ اب اگر اس اجتہادی دور میں ہم چاہیں کہ کھانے پینے کی بجائے انجکشن سے بدن میں غذا پہنچائیں، پیروں سے پکڑنے لگیں اور ہاتھوں کے بل چلنا چاہیں، یا سر کو زمین پر رکھ کر اور پیروں کو کھڑا کر کے چلنے لگ جائیں تو ایسا کرنا ناممکن تو نہیں، البتہ منزل تک پہنچنے اور مقصود کو پانے میں دیر ضرور لگے گی اس لئے ان طریقوں کو کوئی عقل قبول نہیں کر سکتی۔ مطلب یہ ہے کہ صحابۂ کرام کے طریق کار، ان کے فیصلے، تابعین، مجتہدین اور علماء محدثین نیز فقہا کے فتوے، احکام اور فیصلے جن کو صدیوں سے لوگ قبول کرتے آئے، اور جن کے مطابق عمل پیرا رہے۔ یہ درحقیقت اسلامی شاہراہیں ہیں جن پر گامزن ہو کر ہم کم سے کم مدت میں، کم سے کم تکلیف اٹھاتے ہوئے، جلد سے جلد اطمینان و سکون کے ساتھ یقینی طور پر بے خوف و خطر اپنی منزل تک پہنچ سکتے ہیں، اور اس طرح ہم [illegible] زندگی کی جدوجہد میں پورے اتر سکتے ہیں۔ ان شاہراہوں کو چھوڑ کر ایک دھن کا پکا، مخلص و ایمان دار [illegible] کی کوشش تو کر سکتا ہے، مگر ایسا کرنے میں طرح طرح کے خطرات، مشکلات و موانع حائل ہوں گے۔ جس سے دوچار ہونے پر یہ بھی ممکن ہے کہ راستہ گم کر دے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جانبر نہ ہو سکے اور ہلاکت کا شکار ہو جائے۔ شاہراہوں کی موجودگی میں دوسری شاہراہیں بنانا اسی قدر سرمایہ و محنت چاہتا ہے جو موجودہ شاہراہوں پر صرف ہو چکے ہیں۔ انسانی عقل کا عام تقاضا یہی ہے کہ وہ اپنے سرمایہ و محنت کو قوم اور ملک و ملت کے دوسرے مفید کاموں میں صرف کرے۔ تمرّد، سرکشی نیز آمرانہ اور جابرانہ جذبات سے اپنے کو [illegible] ان جذبات سے سوائے زیر باری، فضول خرچی، بے جا اضاعتِ مال اور محنت کی بربادی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اس نقصان پر مزید خسران یہ ہوتا ہے کہ انسان راستے سے بھٹک جاتا ہے۔ منزل سے دور جا پڑتا ہے۔ ساتھ ہی یہ خدشہ بھی دامن گیر رہتا ہے کہ ان گمراہوں کے راستے پر بھی ان کے بعد چلنے والے پیدا ہو جاتے ہیں اور ان کے یہ نئے پُرخطر راستے بھی کسی قدر بعد کی نسلوں کے لئے شاہراہ جیسے بن جاتے ہیں اور اس طرح ہمیشہ کے لئے گمراہی کے راستے ہموار ہو جاتے ہیں، جن کو اختیار کر کے لوگ یاس و حرمان کے سوا کچھ حاصل نہیں کر سکتے۔ تاریخ اسلام میں ابتدا سے آج تک نام نہاد مصلحین کے کارناموں پر نگاہ ڈالیں تو آپ کو ہمارے اس دعویٰ کی شہادتیں مل جائیں گی۔ بنو ہاشم اور حضرت علیؓ کی طرف داری کرنے والوں نے

اپنی راہ ہموار کی، پھر اس پر چلنے والوں نے آج تک متعدد شاہراہیں بنالیں اور خود آپس میں ایک دوسرے کو گمراہ کہنے لگے اور اسلام سے دُور سے دُور تر ہوتے چلے گئے۔ اوّل اوّل ان میں خارجی رونما ہوئے، جنہوں نے حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں نیز مخالفین کو جو اہل اسلام تھے سب کو بلاتفریق تحکیم کے ماننے پر کافر بتایا اور واجب القتل سمجھا۔ ان کا فتنہ اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ خود حضرت علیؓ کو ان کے خلاف تلوار اٹھانی پڑی۔ اسی طرح ابومسلم خراسانی کے پیروکار، مقنع کندی کو ماننے والے، سبائی، قرامطہ، باطنیہ، وغیرہ سینکڑوں فرقے اسی اصلاح و درستگی نیز اعلاء کلمۃ الحق کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور حق وحقانیت سے دُور سے دُور تر ہوتے چلے گئے۔ ان میں صرف اثنا عشری اور زیدی اور ان کے مثل کچھ ہی فرقے ایسے ہیں جو اصول اسلام میں عام اہل سنت والجماعت سے کچھ زیادہ مختلف نہیں، اور وہی اسلام سے قریب سمجھے جاتے ہیں۔ اسی طرح اہل سنت والجماعت اور محدثین میں بھی کچھ لوگ اصلاح واجتہاد کی خاطر رونما ہوئے اور پھر خود ان کے مقلدین اور پیروکار آج تک بڑھتے چلے گئے۔ داؤد بن خلف نے ظاہری احکام پر عمل کرنے کو اپنا عقیدہ بنایا تاکہ مجتہدین کی آراء کے مطابق عمل پیرا ہونے کی زحمت سے بچیں اور خود مجتہد بن بیٹھے۔ ان کے متبعین میں علامہ ابن حزم ظاہری نے بھی قرآن وحدیث پر عمل کرنے کا دعویٰ کیا اور قیاس واجماع کی تردید میں بہت سی کتابیں لکھ ڈالیں جن میں قیاس وشخصی آراء کے سوا مشکل سے دوسری نئی باتیں پائی جاتی ہیں۔ انہیں لوگوں کا پرتو علامہ ابن تیمیہ اور آخری دَور میں شیخ محمد بن عبدالوہاب، شیخ سنوسی اور بعض دوسرے مصلحین پر پڑا۔ اور پھر سب اپنے اپنے طریقے کے سرگروہ بن گئے۔ وہ تو خیریت ہوئی کہ انھوں نے قرآن پاک واحادیث کے مطابق عمل کرنا اپنا شیوہ بنالیا تھا، اس لئے یہ فقہاء اہل سنت والجماعت سے زیادہ مختلف نظر نہیں آتے۔ البتہ خود انہیں بدعتوں کے قائد بن گئے جن کی قیادت کا الزام فقہا پر رکھتے تھے۔

بیسویں صدی کے نام نہاد مصلحین جو درحقیقت مغربی سحر کاری سے مسحور ہو کر اسلام کی بیخ کنی میں شب وروز لگے ہوئے ہیں۔ اصلاح واجتہاد کے نام سے صوفیاء کرام کو درمیان میں لے آتے ہیں، تاکہ ان کے عقیدت مند عوام کو اپنا ہم خیال اور گرویدہ بنائیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ صوفیاء کرام میں رواداری تھی، نرمی تھی، انسانی ہمدردی تھی، کردار کے پختہ تھے، اپنے برتاؤ اور حسن معاملہ سے جہاں گئے غیر مذاہب کے پیروکاروں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ اوران سے متاثر ہو کر لوگ دائرۂ اسلام میں جوق درجوق

داخل ہونے لگے۔ یہ حضرات اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ مسلمان صوفیاء کرام درحقیقت احکامِ اسلام کے علمبردار تھے جو خود فقہاء و علماءؒ تھے۔ آج کل کے بعض نام نہاد پیشہ ور متصوفین کی طرح اگلے صوفیاء علم اور احکامِ اسلام سے بے بہرہ نہ ہوتے تھے۔ درحقیقت وہی اسلام کے پھیلانے والے تھے، اور وہ اسلام کے فقیہ اور احکام اسلام سکھانے والے تھے۔ وہ غیر فقیہ یا جاہل کیونکر ہو سکتے تھے؟ وہ تو احکام اسلام کے زندہ نمونے تھے جن کا باطن اور ظاہر ایک تھا۔ وہ صحابۂ کرام سے مشابہت رکھتے تھے۔ ان میں دینی غیرت و حمیت تھی، تقویٰ و خلوص تھا، اس لئے نہ موت سے ڈرتے تھے نہ غیر اللہ سے ڈرتے تھے۔ وہ ہمیشہ خدا سے ترساں و لرزاں رہتے۔ قرآن پاک و سنت نبوی کو دلوں سے چمٹائے رہتے تھے اور اپنے کردار کو قرآنی احکام اور نبوی سنتوں کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کی جو بات ہوتی تھی، اللہ و رسول کے فرمان کے مطابق ہوتی تھی ان کا جو کام ہوتا تھا وہ احکام خداوندی کی متابعت میں ہوتا تھا۔ صرف حرام و مکروہ ہی سے وہ پرہیز نہیں کرتے تھے، بلکہ جس چیز کے متعلق علم نہ ہوتا اور جس کو مباح کا رتبہ حاصل ہوتا اس سے احتراز کرنا بھی اپنے لئے ضروری خیال کرتے تھے۔ بہار کے مشہور بزرگ حضرت مخدوم شریف الدین احمد یحییٰ منیریؒ نے تربوز صرف اس لئے نہیں کھایا کہ ان کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کس طرح کھایا تھا۔ غرض صوفیاء کرام کو حلال و حرام کا بڑا خیال رہتا تھا، اور ذرہ برابر شریعت سے اِدھر اُدھر نہ ہوتے تھے۔ وہ تو شریعت (ظاہری عمل) کو طریقت (باطنی عقیدہ و ذہنی عمل) کا آئینہ سمجھتے تھے، اور دونوں میں تطبیق دینے کو اپنا ایمان۔ حضرات صحابۂ کرام، اجلۂ تابعین، ائمہ مجتہدین، حسن بصری، فضیل بن عیاض، رابعہ بصریہ، سفیان ثوری، جنید، شبلی، معروف کرخی، ابن عربی، شیخ عبدالقادر جیلانی، خواجہ بہاء الدین نقشبند، شہاب الدین سہروردی، خواجہ معین الدین چشتی، مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ وغیرہ سب کے سب صحابۂ کرام کے نقشِ قدم پر چلنے والے، احکامِ شرع کے پابند اور اپنے اپنے وقت کے فقیہ و مجتہد تھے۔ انھوں نے کبھی کسی امام مجتہد کی تنقیص نہیں کی، اور نہ اہل سنت و جماعت کے طریقے سے سرِمُو انحراف کو روا رکھا۔ البتہ ان میں بعض اہل جذب ایسے ضرور ہوئے ہیں جن کو دنیاوی تکلیف اور شرعی احکام کا پاس نہ رہا، اور خود اہل ہوش صوفیاء و فقہاء کے فرمان کے مطابق شرعی حدود کے مستحق قرار پائے اور دار پر کھینچے گئے۔ جیسے برملا "انا الحق" کہنے والے حسین بن منصور حلاج، نیز بدمست سرمد کے واقعات ہیں۔ یہ شواذ کے تحت آتے ہیں اور ان کو نمونہ نہیں بنایا جا سکتا۔ غرض صوفیاء کرام فقہاء سے

تھے اور نہ انھوں نے کبھی شرعی قوانین یا احکامِ شریعت کی مخالفت کی، بلکہ ان کی تعلیم ہمیشہ احکام
ت کی تعلیم رہی ہے۔
جس طرح متصوفین میں بعض بدنہاد، پیشہ ور، ریاکار، اپنے کو صوفی کہنے لگے ہیں۔ اسی طرح بعض
طن، جاہل وخودغرض لوگ بھی اپنے کو علماء میں شہرت دیتے ہیں جن کی وجہ سے نہ سارے صوفیاء کو ہم
کر سکتے ہیں نہ سارے علماء کو گردن زدنی قرار دے سکتے ہیں۔
فقہ تو درحقیقت قرآن پاک کے احکام، حلال وحرام، فرائض و واجبات نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
ال و افعال و تقریرات کو بیان کرتی ہے۔ اور لوگوں کی سہولت کے لئے عبادات، معاملات وحسن معاشرہ
ے جزئی مسائل کو بیان کر دیتی ہے۔ تاریخ اسلام میں فقہاء کا وہی کارنامہ ہے جو رومی مقننین کا کام
بتہ رومیوں کے برخلاف ہمارے فقہاء کرام نے انفرادی نیز معاشرتی زندگی کے ہر باریک سے باریک
کا مطالعہ کیا، اور انہیں نکات کو پیش نظر رکھ کر قرآن وحدیث کے اوامر و نواہی کے مطابق احکام کا
ط کیا ہے۔ عہد بہ عہد کے فقہاء نے اپنے اپنے زمانے کے معاشرہ اور افراد کا غائر مطالعہ کرتے ہوئے نئے
حکام تلمبند کئے ہیں۔ امام مالک کی مؤطا، امام محمد کے اصول و زوائد، امام شافعی کی کتاب الام، امام احمد
نبل کی مسند پھر ان کے اپنے اپنے تلامذہ کے کارنامے ہمارے سامنے ہیں۔ ان سب کے بنیادی اصول ایک
جن میں کسی کو کسی سے اختلاف نہیں۔ ہر ایک کی کوشش یہی ہے کہ قرآن پر سب سے پہلے عمل کریں، پھر
کے مطابق، پھر امت کے اتفاق کردہ احکام کو سامنے رکھیں۔ اور اگر ان سب سے بظاہر کوئی مسئلہ حل
، پھر عام عقل انسانی اور مصالح امت کے تقاضے کے مطابق فیصلہ کریں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ مجتہدین
شش یہی رہی ہے کہ عوام اور کم علم یا ملکی انتظامات اور قومی اہم خدمات انجام دینے کی وجہ سے
م الفرصت ہونے کے باعث قرآن واحادیث کا غائر مطالعہ نہ کر سکنے والے حضرات جلد سے جلد بادنیٰ توجہ
م اسلام پر عمل پیرا ہو جائیں، اور ایسا نہ ہو کہ نادانستگی میں کسی حکم خداوندی کی خلاف ورزی کر بیٹھیں
م کے مرتکب ہو جائیں، یا مکروہات میں پھنس جائیں اور خدا ورسول کی ناراضی کے مورد بن جائیں۔
درحقیقت ہمارے فقہی کارنامے ابتداء اسلام سے لے کر آج تک کے اپنے اپنے عہد کے ضابطے اور
ن کے مجموعے ہیں، جن کے مطابق وقت کے سیاسی رہنماؤں نے ملکی نظام کو اسلام کی شاہراہ پر قائم
اور بدنظمی و فساد سے بچتے رہے۔ فقہاء نے ہر زمانے میں اپنا فریضہ پورا کیا اور قوانین ملک و قوم کے

ہاتھوں میں سونپ دیا۔ ان کا نفاذ قاضیوں اور حاکموں کا فریضہ ہے، علماء وفقہاء کا نہیں۔ شخصی مسائل ہوں یا قومی یا بین الاقوامی، مسلمانوں کے سوا کسی دوسری قوم نے ان سے پہلے علمی طریقہ سے قوانین کو اس تفصیل کے ساتھ مدون نہیں کیا۔

چونکہ اس لادینیت کے دور میں آزاد روی ہر فرد کا شعار بن گئی ہے اور تقلیدِ فرنگ عادت ثانیہ زبان انگریزی اور فرانسیسی کے غلبہ کی بدولت ہمارے رگ و ریشے میں فرنگی اور مغربی ثقافت سرایت کر چکی ہے، اس لئے آج کل کے وہ مصلحین جن کو اسلامی احکام ظاہری ڈھکوسلے اور تکلیف بے جا نظر آتے ہیں، وہ قوانین اسلام کو تقویم پارینہ سمجھتے ہیں اور ان کو ازمنہ وسطیٰ کے رسم و رواج سے زیادہ اہمیت دینا نہیں چاہتے۔ چونکہ برملا ان احکام کے خلاف کچھ کہنے کی جرأت ان کو نہیں ہوتی۔ اس لئے کبھی تو صوفیاء کرام کی تعریف میں رطب اللسان ہو جاتے ہیں اور کبھی مذہبی بغاوت اور دینی کشمکش کو اصلاحی تحریکوں جیسے نام سے اچھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر جب عواقب اور خواتیم کا دھیان آتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ بھی چند اعمال و عقائد کے بندھنوں سے آگے نہیں بڑھے۔ ان نام نہاد مصلحین کا مقصد درحقیقت لوگوں میں علماء کے خلاف نفرت پیدا کرنا اور برسر اقتدار افراد کی رضاجوئی ہے۔ حلال و حرام کے امتیاز کو دور کرنا اور اپنی مقصد براری و لیے جا ہوس رانی کی خاطر ایسی تحقیقات کو عام کرنا ان کا شیوہ ہے جن کی رو سے حرام مباح ہو جائے اور مکروہات عین مستحبات بن جائیں۔ کبھی معاشرتی اقتصادی انقلاب پیدا کرنے کے لئے تخفیف عبادت، تقصیر حدود کو ضروری سمجھتے ہیں اور تعبیر بیان کی مراعات کی خاطر اجتہاد کے علمبردار بنتے ہیں۔

یہ کہنا کہ آج اجتہاد مفقود ہے، تاریخی حقیقت کا انکار ہے۔ اجتہاد ہر زمانے میں اور ہر اسلامی ملک میں موجود رہا اور برابر کارفرما ہے۔ متاخرین فقہاء نے اپنے فتاوے جمع کئے ہیں اور ان فتاویٰ میں علماء و فقہاء کی شخصی رائیں اور فیصلے موجود ہیں۔ ہندوستان میں ابتداء عہد میں فتاویٰ قاضی خان، فتاویٰ تاتارخانیہ اور اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں فتاویٰ ہندیہ مشہور قوانین اسلام کے مجموعے ہیں، جن میں بہت سے مسائل میں وقتی تقاضے کے مطابق فیصلے صادر کئے گئے ہیں۔ آج تک مدارس میں ہندوستان و پاکستان میں، دارالافتاء کے شعبے موجود ہیں۔ عام مسلمانوں کے استفسار پر فیصلے سوال کے مطابق لکھے جاتے ہیں۔ امارت شرعیہ بہار میں مقدمات بھی فیصل کئے جاتے تھے۔ اسی طرح قیامِ پاکستان تک قلات میں قاضی احکام و قوانین اسلام کے مطابق فیصلے صادر کرتے رہے۔ اٹھارھویں انیسویں صدی

میں ترکی میں خلیفۃ المسلمین کے حکم سے مجلۃ الاحکام کی تسوید عمل میں آئی اور مجلہ کے قوانین ترکی کے قوانین قرار پائے۔ جنگ عظیم اوّل کے اختتام پر جب ترکی کی سلطنت کی نوعیت بدل گئی اور خلافت کا نام ترک کر دیا گیا تو صدر جمہوریہ ترکی کی ایماء پر یورپی خصوصاً سوئس قوانین کو ملکی انتظام کے لئے اختیار کیا گیا اور اسلامی قوانین سے انحراف کیا گیا۔

یہ خیال کہ اسلامی احکام محض عبوری دَور کے لئے تھے اور اب ان میں تبدیلی کرنے کی ضرورت ہے تاکہ موجودہ مسائل کا حل ممکن ہو، محض لغو ہے۔ ہر قرن میں نئے حالات، نئی قوموں کے عہد میں نئے مسائل پیش آئے اور اسلام بالکل عاجز نہ ہوا، بلکہ چودہ صدیوں کے بیشتر کے قوانین و احکام ہی کارآمد ثابت ہوئے۔ مثلاً آج روس میں مفکرین کو احساس ہو گیا ہے کہ عورتوں کے فرائض اور ہیں اور مردوں کے کچھ اور، دونوں کے جداگانہ فرائض کو گڈمڈ کرنا فطرت کے قانون کی خلاف ورزی ہے۔

آج سارے عالم میں وکالت کے پیشے میں الگ دھاندلی ہے۔ وکیلوں کا تو کام یہ ہونا چاہیئے تھا کہ انصا[ف] و عدل کا خون نہ ہونے دیتے۔ کمزور مدعی یا کمزور مدعا علیہ تیز و طرار مخالف کے زورِ بیان و طلاقتِ لسانی سے مرعوب نہ ہو جائیں، اور حق و انصاف کا پہلو دب نہ جائے۔ قاضی اور جج کے سامنے صحیح طور پر مقد[مہ] کی وضاحت کر دے، تاکہ مُنصف (جج) چکنی چپڑی باتوں میں الجھ نہ پڑیں اور ان کے ہاتھ سے انصاف کا رشتہ نہ چھوٹ جائے۔ مگر انگریزوں کے پروردہ محکمۂ عدلیہ و محکمۂ فوجداری کے یہ پیشہ ور مردِ میدان ا[پنے] اپنے مؤکلوں کو انصاف و عدل کے چنگل سے نجات دلانے کی سعی میں آسمان و زمین کے قلابے ملا دیتے ہیں، اور ایسی ایسی قانونی موشگافیوں میں ججوں، قاضیوں اور منصفوں کو منہمک کر دیتے ہیں کہ حق و باطل میں اشتبا[ہ] ہو جاتا ہے، اور بسا اوقات مجرموں کو اور سزا کے مستحقوں کو بچا لاتے ہیں اور بے داغ آزاد کرا لیتے ہیں۔ یا تو قانونی نکات کی وضاحت بڑی اچھی بات ہے اور عین حق و صواب ہے، اور قانونی سوجھ درحقیقت فقہا[ء] کارنامے ہیں جن کی تعریف جتنی کی جائے کم ہے مگر افسوس اس بات کا ہے کہ یہ پیشہ ور وکیل اکثر و بیشتر اپنے حقیقی مجرموں کی بے جا حمایت کرتے ہیں۔ اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ سزا کا مستوجب ہے، صرف فیس کی خا[طر] اور اپنے پیشے کو فروغ دینے کے لئے خونی مجرموں کو بھی قانونی حفاظت میں لے لیتے ہیں، جرائم پیشہ، سما[ج] دشمن، مخرب اخلاق شخصیتوں کی پشت پناہی کرتے ہیں۔ نتیجے میں ملک میں بداخلاقی، جرائم، اغوا بردہ فروشی، قتل و غارت، چوری، ڈکیتی، عصمت دری وغیرہ ہر طرح کے مجرم دن دہاڑے جر[ائم]

ے ہیں اور نامور وکیلوں کی وکالت کی بدولت حکومت اور عدل وانصاف کے چنگل سے صاف نکل جاتے
۔ آج ملک میں اسی لئے زور و ظلم، تشدد و سختی، قتل و غارت اور ہر طرح کی بدعنوانیاں روز افزوں
نی پر ہیں، علم و تہذیب کی زیادتی کا دعویٰ ضرور صحیح ہے، مگر آج کل کا لادینی علم بیشتر سے بیشتر
انی تخریب، مردم آزاری، خود غرضی و خویشتن پروری کے کام آتا ہے۔ ایسی وکالت کے پیشے کو اسلامی
نا اور دینی انصاف و تقویٰ کسی طرح جائز قرار نہیں دیتے۔

کورٹ کی دشواریاں الگ ہیں، یہ محکمہ تو انصاف کرنے، حق دلانے اور مظلوم کی دادرسی کے
ہے، مگر اس بیسویں صدی میں جو ثقافت و تہذیب، سائنس و تمدن کا عصر کہلاتا ہے، کس قدر
رم کی بات ہے کہ جج کورٹ ہو یا ہائی کورٹ، کہیں مقدمہ کی شنوائی نہیں ہو سکتی جب تک کہ ایک
زر فیس اور خاص اسٹامپ لگے ہوئے کاغذ پر مقدمہ کی شکایت نہ کی جائے۔ ازمنۂ وسطیٰ میں تو شاہوں
ے دربار غریبوں اور بیکسوں کے لئے کھلے ہوتے تھے، اور بادشاہ مظلوم کی فریاد سنتے ہی انصاف
رتا تھا، اور باوجود بہت سی بدعنوانیوں کے سختی کے ساتھ ظلم و تعدی کا قلع قمع کرتا اور ملک میں امن و امان قائم
رتا تھا۔ آج باوجود اتنی سہولتوں اور ہر طرح کے مواد کی موجودگی کے انصاف کا دروازہ کھٹکھٹانا بڑے
ل گردے کا کام ہے۔ لگاتار وقت بے وقت دوڑنا اور حیران و پریشان پھرنا آجکل کی عدالت کے خصائص
ں سے ہے۔ کیا ایسی عدالت گاہیں بیسویں صدی کی علمی ثقافت و تہذیب کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ نہیں؟

اکثر و بیشتر مسلم ممالک میں ملکی امن و امان قائم کرنے کے لئے محکمہ پولیس قائم ہے۔ ملکی نظم و نسق
ی طرح یہ محکمہ بھی غیر اسلامی اخلاق و روایات کا حامل ہے، اور اکثر و بیشتر غیر انسانی و بہیمانہ کار پردازی
ا آلہ کار۔ ہمارے یہاں کے سماجی مفاسد اور معاشرتی بے راہ روی اور دوسری قسم کی بدعنوانیوں کی موجودگی
ڑی حد تک تہذیب نو کی برکات کے ساتھ ساتھ اس محکمے کے بعض روایاتی مفاسد کی رہین منت ہے۔

ارباب حل و عقد کی بے راہ روی کا صدقہ پولیس کی بعض بے جا زیادتیاں ہیں جن کے آگے عوام کی کسمپرسی ہر
طۂ زمین اور تقریباً ہر موجودہ ترقی یافتہ تہذیب نو کی علمبردار حکومت کے قلمرو میں کم و بیش موجود ہے۔ کم
رقی یافتہ یا نا ترقی یافتہ ریاستوں کا کیا پوچھنا؟ ان نام نہاد ملکوں میں لوگ جمہوریت کے نام پر جمہور کا گلا گھونٹ
رہے ہیں، انسانیت کے نام سے طاقتور اپنی طاقت بڑھا رہے ہیں اور کمزوروں کو ان کی فطرت کے رحم و کرم
پر چھوڑ رہے ہیں۔ بینکوں کی سہولتوں اور تجارت کے مواقع اور منافع کو چند ہاتھوں میں محبوس کرنے کے طرح

جب ملک میں سارا نظام غیر اسلامی ہو تو تجارت کے اسلامی طریقے کیونکر فروغ پا سکتے ہیں؟ اور بیع و شراء میں حلال و حرام کی تمیز کیونکر باقی رہ سکتی ہے؟ سٹے بازی، چور بازاری، بھاری فیس اور رشوت ستانی کا بازار گرم ہو تو اتحاد و اتفاق، تعاون، اخوت، دیانت و تقوی، ہمدردی و ایثار کیونکر ہمارے معاشرے کے اوصاف بن سکتے ہیں؟

علمی درسگاہیں، تحقیقاتی ادارے اور تہذیب و ثقافت کے مرکز، غرض کونسا ادارہ ہے؟ جو رشوت و نفسانیت اور دوسری بدعنوانیوں کی آماجگاہ بننے سے چھوٹا ہوا ہے؟ پھر احکام و قوانین اسلامی کی حرمت و پاسداری کی کیا امید کی جا سکتی ہے؟

آج جبکہ ممالکِ اسلام میں مسلمانوں کو سیاسی قوت دوبارہ حاصل ہو رہی ہے۔ اور انڈونیشیا سے لے کر اقصائے مغرب و مراکش تک نیز جنوبی افریقہ، مرکزی افریقہ میں مسلمانوں کا غلبہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ یہ الاپنا کہ مسلمان ذلیل و خوار ہیں اور تنزل میں پڑے ہوئے ہیں بالکل خلاف حقیقت ہے۔ بیسویں صدی کے نصف ثانی میں عالمی سیاست میں بے شک و شبہ بڑا تغیر رونما ہوا ہے۔ انڈونیشیا، ملایا، پاکستان، افغانستان، ایران، ترکی عراق، عرب، کویت، یمن، شام، مصر، شرق اردن، سوڈان، لیبیا، تیونس، الجزائر، مراکش، تنزانیہ وغیرہ ممالک میں مسلمانوں کو سیاسی برتری ہی نہیں بلکہ ان کی حکومت قائم ہے۔ نیز بہت سے دوسرے ممالک میں ان کو فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ ایسے دور میں ہمارا فرض ہے کہ مغربی علوم و سائنس میں اپنے تجربات جاری رکھیں اور زیادہ سے زیادہ تعلیم حاصل کر کے احکام الٰہیہ سے دنیا کو روشناس کریں تاکہ اسلامی احکام پر عمل پیرا ہو کر سارے عالم کے لوگوں امن و امان کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا موقع میسر ہو اور سامراجی و اشتراکی کشمکش کا خاتمہ ہو۔

حیف صد حیف! کہ ممالک اسلامیہ کے اہل حل و عقد مغربیت و اشتراکیت کے اس طرح شکار ہو کر رہ گئے ہیں کہ ان کی اسلامی حمیت اور دینی تفکیر مفلوج ہو کر رہ گئی ہے۔ اپنی تہذیب و ثقافت سے بیگانہ ہو کر آج اپنے اپنے جغرافیائی قدیم ثقافتوں کے احیاء میں منہمک ہیں اور وقتی عیش و طرب، ذاتی اغراض و مقاصد نیز ظاہری و مادی منافع کو اصل مقصد حیات سمجھ کر ضلالت و گمراہی کے ایسے طوفان میں پھنسے ہیں جس سے دینی و دنیاوی خسران کا یقین زیادہ سے زیادہ بڑھتا جاتا ہے۔ اے کاش! روئے زمین کے مسلمان خلوص و ایقان کے ساتھ اسلام کے پیروکار بنتے، قرآن پاک کو اپنا لائحہ عمل بناتے! تو علوم حاضرہ کو اپنا کر پھر دنیا کی قیادت کا سہرا اپنے سروں باندھتے۔ اب بھی وہ وقت دور نہیں کہ ایک بار پھر باد مخالف کے جھونکے انہیں ہشیار کر دیں اور ایمان کی لازوال دولت سے مالا مال ہو جائیں اور بقاءِ دوام کے مستحق بن جائیں۔

[illegible]